

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۳)

مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں

(۳۴) تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ كَامَطْلَب

تَبَيَّنَ كَامَطْلَب ہوتا ہے کسی چیز کا واضح ہو جانا۔ جو چیز واضح ہوتی ہے، وہ تَبَيَّنَ فِعْل کا فاعل بنتی ہے، اور جس شخص پر وہ چیز واضح ہوتی ہے، اس کے لیے لام کا صلہ آتا ہے۔ جیسے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرة: ۱۸۷)

”اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری (شب کی) سیاہ دھاری سے تمہارے لئے نمایاں ہو جائے“۔ (امین)

(احسن اصلاحی)

قرآن مجید میں تَبَيَّنَ زیادہ تر لام کے صلہ کے ساتھ آیا ہے، جو اس پر داخل ہوتا ہے جس پر کوئی بات واضح ہو جائے۔ جبکہ ذیل کی آیت میں وہ لام کے صلہ کے بغیر آیا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ

تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ۔ (سبا: ۱۴)

اس آیت میں تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ کے ترجمہ میں عام طور سے مترجمین قرآن نے جو مفہوم اختیار کیا ہے، وہ زبان کے قواعد سے میل نہیں کھاتا۔ چند ترجمے بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں:

”پس جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو ان کو اس کی موت سے آگاہ نہیں کیا مگر زمین کے کیڑے نے جو

اس کے عصا کو کھاتا تھا۔ پس جب وہ گر پڑا، تب جنوں پر واضح ہوا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب

میں نہ پڑے رہتے۔“ (امین احسن اصلاحی)

”اس طرح جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے

* بیڈ آف ریسرچ دارالشریعتہ متحدہ عرب امارات، ومبرمجع فقہاء الشریعہ بامریکا۔

ای میل: mohiuddin.ghazi@gmail.com

عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔“ (سید مودودی)

”سوجب وہ گر پڑے، تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔“ (اشرف علی تھانوی)

اگر آیت میں تبیین للجن ہوتا تب تو مذکورہ ترجمے یقیناً درست ہوتے، لیکن تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ كَمَا مَطْلَبُ تَوْخُودِ جَنُونَ كَا وَضَحٌ هَوْنًا، اور ان کی حقیقت کا سامنے آ جانا ہے نہ کہ جنوں پر کچھ واضح ہونا ہے۔ جیسے قَدْ تَبَيَّنَ الرَّشْدُ (البقرة: ۲۵۶) کا مطلب یہ ہے کہ صحیح بات واضح ہو گئی۔

گوکہ بعض مفسرین کے مطابق تبیین، علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس کی تائید میں کلام عرب سے ایک شعر بھی مثال میں پیش کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو ابو حیان کی تفسیر البحر المحیط۔ لیکن یہ مشہور استعمال نہیں ہے، قرآن مجید میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ اگر ان مفسرین کی بات مان بھی لی جائے تو بھی آیت کا جو مفہوم سامنے آتا ہے، وہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ مطلب یہ سامنے آتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے جنوں پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ وہ غیب کا علم نہیں رکھتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جن تو اپنے بارے میں جانتے ہی ہیں کہ وہ غیب نہیں جانتے، جس طرح ہر انسان اپنے بارے میں جانتا ہے کہ وہ غیب نہیں جانتا۔ اصلاح کی ضرورت تو ان لوگوں کو تھی جنہوں نے جنوں کے بارے میں یہ غلط مفروضہ قائم کر رکھا تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں، چنانچہ اس واقعہ کے بعد جنوں کے بارے میں یہ حقیقت سب پر واضح ہو گئی کہ وہ غیب نہیں جانتے ہیں۔

حقیقت واقعہ اور عربی کے قواعد دونوں کی رو سے صحیح ترجمہ اس طرح ہوگا:

”پھر جب سلیمان زمین پر آیا، جنوں کی حقیقت کھل گئی۔ اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔“ (احمد رضا خان)

”پس جب وہ گر پڑا، تب جنوں کی حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں نہ پڑے رہتے۔“ (امانت اللہ اصلاحی)

(۳۵) فعل مضارع کے زمانہ کے تعیین کا مسئلہ

فعل مضارع چونکہ حال اور مستقبل دونوں کے لئے آتا ہے، اور بسا اوقات دونوں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کے لئے درکار قرینہ بھی واضح طور سے موجود نہیں ہوتا، ایسے میں زمانہ متعین کرنے میں دشواری ہوتی ہے، حسب ذیل مثال سے اس دشواری کو سمجھا جاسکتا ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمْرٌ مَرَّ السَّحَابِ صُنَعَ اللَّهُ الَّذِي اتَّقَنَ كُلَّ شَيْءٍ
إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ۔ (النمل: ۸۸)

اس آیت کے پہلے حصے میں تین باتیں ہیں، پہاڑوں کو دیکھنا، پہاڑوں کو جما ہوا سمجھنا، پہاڑوں کا بادلوں کی طرح اڑنا۔

بعض ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں زمانہ مستقبل یعنی روز قیامت کی ہیں، جیسے:

’اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جھے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز، بیشک اسے خبر ہے تمہارے کاموں کی‘۔ (احمد رضا خان)

’اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر گمان کرو گے کہ وہ نکلے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے‘۔ (امین احسن اصلاحی)

یہ ترجمے کمزوری سے خالی نہیں ہیں، کیونکہ آخرت میں پہاڑ کو دیکھ کر یہ گمان کرنا کہ وہ جھے ہوئے ہیں جبکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں، تکلف سے بھرپور بات ہے کیوں کہ جب وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے تو انہیں جما ہوا سمجھنے کی کیا وجہ ہوگی۔

بعض ترجموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول دو باتیں زمانہ حال کی ہیں جبکہ آخری بات زمانہ مستقبل یعنی قیامت کی ہے، جیسے:

’آج تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جھے ہوئے ہیں، مگر اس وقت یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے، یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو‘۔ (سید مودودی)

’اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو خیال کرتے ہو کہ (اپنی جگہ پر) کھڑے ہیں مگر وہ (اس روز) اس طرح اڑے پھریں گے جیسے بادل (یہ) خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا، بیشک وہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے‘۔ (فتح محمد جالندھری)

ان ترجموں میں سیاق کلام کا لحاظ نہیں رکھا گیا، سیاق کلام کا تقاضا یہ ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ كَأَخْرَتِ كِی بَات مانا جائے کیوں کہ گزشتہ آیت میں آخرت کا بیان ہے، مزید یہ کہ وَتَرَى الْجِبَالَ كَأَحْوَالِ الْوَهْسِ تَمُرُّ مَرًّا السَّحَابِ ہے اور وہ مستقبل سے متعلق ہے تو دونوں کو ایک ہی زمانہ کا ہونا چاہئے، یہ واو حالیہ کا تقاضا ہے۔

پکھال کے ذیل کے ترجمہ سے لگتا ہے کہ وہ تینوں باتوں کو زمانہ حال یعنی دنیا سے متعلق مانتے ہیں:

And thou seest the hills thou deemest solid flying with the flight of clouds: the doing of Allah Who perfecteth all things. Lo! He is Informed of what ye do. (Pickthall)

مطلب یہ کہ تم اس دنیا میں جن پہاڑوں کو دیکھ کر جما ہوا سمجھتے ہو وہ بادلوں کی طرح اڑتے ہیں۔ لیکن یہ مفہوم ایک تو سیاق کلام سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ سیاق قیامت سے متعلق ہے، اس کے علاوہ اس دنیا میں پہاڑوں کو اس طرح متحرک ماننا جس طرح بادل اڑتے ہیں تکلف سے بھرپور بات ہے۔

ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ پہلی اور آخری بات مستقبل یعنی روز قیامت کی ہے، اور درمیان والی بات زمانہ حال کی

ہے، اس کے لحاظ سے ترجمہ ملاحظہ ہو:

”اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب گھبرا اٹھیں گے۔ صرف وہی اس سے محفوظ رہیں گے جن کو اللہ چاہے گا۔ اور سب اس کے آگے سرگندہ ہو کر حاضر ہوں گے۔ اور تم ان پہاڑوں کو بادلوں کی طرح اڑتے ہوئے دیکھو گے جنہیں تم سمجھتے ہو کہ وہ جھے ہوئے ہوئے ہیں۔“ (امانت اللہ اصلاحی)

یعنی جن پہاڑوں کو دنیا میں جما ہوا سمجھتے ہو، انہیں آخرت میں بادلوں کی طرح اڑتے ہوئے دیکھو گے۔ یہ ترجمہ دیگر ترجموں کی کمزوریوں سے پاک ہے، اور اس ترجمہ میں جو قوت وجودت ہے وہ دوسرے ترجموں میں نہیں ہے۔

(۳۶) لَمَّا اور اِذَا کے درمیان فرق:

فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ۔ (الانعام: ۷۷) اس آیت میں دو مرتبہ لَمَّا آیا ہے، اور پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر جب اس نے چاند کو چمکتے دیکھا، بولا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ ڈوب گیا، اس نے کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو میں گمراہوں میں سے ہو کر رہ جاؤں گا۔“ (امین احسن اصلاحی)

کسی جملے میں جب لَمَّا ظریفیہ آتا ہے تو اسی طرح ترجمہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی ترجمہ یوں کرے کہ ”جب وہ چاند کو دیکھتا تو بولتا“ تو غلط ہوگا۔ یعنی اس میں کسی عمل کے بار بار ہونے کا مفہوم نہیں بلکہ ماضی میں ایک بار ہونے کا مفہوم ہوتا ہے، فعل کے بار بار ہونے کا مفہوم ادا ہوتا ہے، اور مزید تاکید مطلوب ہو تو كَلَّمَا کا استعمال کرتے ہیں، جبکہ جملہ پر لَمَّا داخل ہو تو ”ایسا ہوا“ کا مفہوم پیدا ہوتا ہے نہ کہ ”ایسا ہوتا“ کا مفہوم۔

البتہ لَمَّا کے اندر اِذَا کا مفہوم اس وقت پیدا ہو جاتا ہے جب اس سے پہلے اِذَا آیا ہو، جیسے:

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهًا فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ۔

(الاسراء: ۶)

”اور جب تمہیں سمندر میں مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم اعراض کرنے لگتے ہو۔“

لَمَّا کے سلسلے میں مذکورہ بالا ضوابط کا لحاظ عام طور سے مترجمین قرآن کے یہاں ملتا ہے، تاہم بعض مقامات پر متعدد مترجمین سے لَمَّا کے مفہوم کی ادائیگی کے سلسلے میں لغزش ہوئی۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَصْنَا مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ۔ فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ، وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ، أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ، وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّنُحَرِّنَهَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ، فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالْدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ، فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ، وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

عَهْدَ عِنْدَكَ، لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرَّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرَّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بِالْعُوهِ إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ (الاعراف: ۱۳۰-۱۳۵)

”اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ ان کو تنبیہ ہو، تو جب خوش حال آتی، کہتے یہ تو ہے ہی ہمارا حصہ اور اگر ان پر کوئی آفت آتی تو اس کو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ سن رکھو کہ ان کی قسمت اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور کہتے کہ خواہ تم کیسی ہی نشانی ہمیں مسحور کرنے کے لئے لاؤ ہم تو تمہاری بات باور کرنے کے نہیں، تو ہم نے ان پر بھیجے طوفان، ٹنڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ تفصیل کی ہوئی نشانیاں۔ تو انہوں نے تکبر کیا اور یہ مجرم لوگ تھے۔ اور جب آتی ان پر کوئی آفت تو درخواست کرتے کہ اے موسیٰ تم اپنے رب سے، اس عہد کے واسطے سے جو اس نے تم سے کر رکھا ہے، ہمارے لیے دعا کرو۔ اگر تم نے ہم سے یہ آفت دور کر دی تو ہم تمہاری بات ضرور مان لیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے۔ تو جب ہم ان سے دور کر دیتے آفت کو کچھ مدت کے لیے جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفع عہد توڑ دیتے۔“ (امین احسن اصلاحی)

فَإِذَا جَاءَهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ كَا تَرْجَمُ كَمَا هِيَ: ”تو جب خوش حال آتی، کہتے یہ تو ہے ہی ہمارا حصہ۔“ چونکہ اس جملے میں اذ ہے اس لئے یہ ترجمہ درست ہے۔ لیکن وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرَّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَىٰ كَا تَرْجَمُ كَمَا هِيَ: ”اور جب آتی ان پر کوئی آفت تو درخواست کرتے کہ اے موسیٰ۔“ یہاں اذ انہیں ہے بلکہ لَمَّا ہے، اس لیے درست ترجمہ ہوگا: ”اور جب آیا ان پر عذاب تو درخواست کی“۔ مزید برآں الرَّجْزُ معرفہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں کوئی کا اضافہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرَّجْزَ كَا تَرْجَمُ: ”تو جب ہم ان سے دور کر دیتے آفت کو، درست نہیں ہے، بلکہ درست ترجمہ یوں ہوگا: ”تو جب ہم نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا“۔

یہی غلطی سید مودودی کے ترجمہ میں بھی نظر آتی ہے: ”جب کبھی اُن پر بلا نازل ہو جاتی تو کہتے: اے موسیٰ، تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے، اس کی بنا پر ہمارے حق میں دعا کر۔ اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ مگر جب ہم ان پر سے اپنا عذاب ایک وقت مقرر تک کے لیے، جس کو وہ بہر حال پہنچنے والے تھے، ہٹا لیتے تو وہ یکنخت اپنے عہد سے پھر جاتے۔“ اس ترجمہ میں مذکورہ بالا غلطی کے علاوہ لفظ ”جب کبھی“ بھی درست نہیں ہے، اس کی جگہ صرف ”جب“ ہونا چاہیے۔ احمد رضا خان کے یہاں بھی یہ غلطی نظر آتی ہے:

”جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔ بیشک اگر تم ہم پر سے عذاب اٹھا دو گے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کے لیے جس تک انہیں پہنچنا ہے جیسی وہ پھر جاتے۔“

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَلَمَّا جَاءَهُ

هُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ، وَمَا نُرِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتَيْهَا وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ، وَقَالُوا يَا أَيُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّنَا بِمَا عَاهَدَ عَلَيْكَ إِنَّا لَمُهْتَدُونَ، فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ (الزخرف: ۴۶-۵۰)

”اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان کے پاس بھیجا تو اس نے ان کو دعوت دی کہ میں تمہارے پاس عالم کے خداوند کا رسول ہو کر آیا ہوں تو جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ ان نشانیوں کا مذاق اڑاتے۔ اور ہم ان کو ایک سے ایک بڑھ کر نشانیاں دکھاتے رہے اور ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا تا کہ وہ رجوع کریں۔ اور انہوں نے درخواست کی کہ اے ساحر اپنے رب سے اس عہد کی بنا پر، جو اس نے تم سے کر رکھا ہے، ہمارے لئے دعا کرو، اب ہم ضرور ہدایت پانے والے بن کر رہیں گے۔ تو جب ہم ان سے عذاب ٹال دیتے تو وہ اپنا عہد توڑ دیتے“۔ (امین احسن اصلاحی)

یہاں آیت نمبر ۴۷ کے ترجمہ میں لَمَّا کے مفہوم کی رعایت کی گئی ہے، لیکن آیت نمبر ۵۰ کے ترجمہ میں لَمَّا کی رعایت نہیں ہو سکی، اس آیت کا درست ترجمہ یوں ہوگا: تو جب ہم نے ان سے عذاب ٹال دیا تو انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا۔ یہی غلطی سید مودودی کے ترجمہ میں بھی نظر آتی ہے: ”مگر جوں ہی کہ ہم ان پر سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے“۔

عجیب بات یہ ہے کہ سورہ اعراف کی آیت ۱۳۴ اور ۱۳۵ اور سورہ زخرف کی آیت ۵۰ کا اسلوب بھی ایک ہے اور ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ بھی ہے، اس کے باوجود بہت سارے مترجمین جیسے احمد رضا خان، فتح محمد جالندھری، محمد جونا گڑھی اور طاہر القادری وغیرہم نے سورہ زخرف کی آیت کا درست ترجمہ کیا ہے مگر اسی سے ملتی جلتی سورہ اعراف کی دونوں آیتوں کے ترجمہ میں لَمَّا کے بجائے اِذَا کا ترجمہ کر دیا ہے۔

غلطی کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں ایک تو آیات کا ذکر ہے یعنی طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون، اور اس کے بعد ایک مقام پر عذاب اور ایک مقام پر رجز کے نازل ہونے کا ذکر ہے، لگتا ایسا ہے کہ لوگوں نے عذاب اور رجز سے ان نشانیوں کو مراد لے لیا جو یکے بعد دیگرے آئیں، حالانکہ عذاب اور رجز سے وہ عذاب مراد ہے جو ان نشانیوں سے اعراض کرنے کے بعد نازل کیا گیا تھا، اور وہ ایک بار نازل کیا گیا تھا اور پھر ان کے قول و قرار کے بعد ان پر سے اسے ہٹا لیا گیا تھا۔

غلطی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں مقامات پر اِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ مضارع کا صیغہ آیا ہے، جس کا ترجمہ بعض لوگوں نے کیا ہے: ”تبھی وہ وعدہ توڑ ڈالتے“ (محمود الحسن) حالانکہ موقعہ کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا، ”تو وہ لگے وعدہ توڑنے“، اس کی قریب ترین مثال سورہ زخرف میں ٹھیک اسی اسلوب کی آیت نمبر ۴۷ ہے، فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُونَ (۴۷) شیخ الہند نے یہاں ترجمہ کیا ہے، ”پھر جب لایا ان کے پاس ہماری نشانیاں وہ تو لگے ان پر ہنسنے“۔ یہ ترجمہ صحیح ہے اور اسی طرح سے ترجمہ آیت نمبر ۵۰ کا ہونا چاہئے تھا، لیکن شیخ الہند نے یہاں ترجمہ

کیا: ”پھر جب اٹھالی ہم نے ان پر سے تکلیف تھی وہ وعدہ توڑ ڈالتے“۔ اس ترجمہ کی کمزوری صاف ظاہر ہے۔ شیخ ابن احسن اصلاحی سے یہی غلطی آیت نمبر ۴۷ میں ہوئی: ”تو جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ ان نشانیوں کا مذاق اڑاتے“۔ یہاں ”مذاق اڑاتے“ کے بجائے ”لگے مذاق اڑانے“ درست ہے۔

(۲) هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمَلًا خَفِيًّا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْنَا صَالِحًا لَنُنَوِّنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ۔ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔ (الاعراف: ۱۸۹-۱۹۰)

”وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک ہی جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا کہ وہ اس سے تسکین پائے۔ تو جب وہ اس کو چھالیتا ہے تو وہ اٹھالیتی ہے ایک ہا کا ساحل، پھر وہ اس کو لئے (کچھ وقت گزارتی ہے)۔ تو جب بو جھل ہوتی ہے، دونوں اللہ، اپنے رب، سے دعا کرتے ہیں: اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد بخشی، ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ تو جب اللہ ان کو تندرست اولاد دے دیتا ہے تو اس کی بخشی ہوئی چیز میں وہ اس کے لیے دوسرے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں“۔ (ابن احسن اصلاحی)

اس ترجمہ میں بھی لَمَّا کے استعمال کی رعایت نہیں کی جاسکی ہے۔ فتح محمد جالندھری کے ترجمہ میں بھی یہی غلطی ہے، البتہ اکثر مترجمین نے اس کا لحاظ کیا ہے۔ ذیل کا ترجمہ اس کی ایک مثال ہے:

”وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف ساحل رہ گیا جسے لیے لیے وہ چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بو جھل ہوگئی تو دونوں نے مل کر اللہ، اپنے رب سے دعا کی کہ اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے مگر جب اللہ نے ان کو ایک صحیح و سالم بچہ دے دیا تو وہ اس کی اس بخشش و عنایت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہرانے لگے اللہ بہت بلند و برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں“۔ (سید مودودی)

(۳۷) فعل ماضی کے ترجمہ میں غلطی

کبھی کبھی بعض مترجمین بغیر کسی وجہ اور قرینہ کے فعل ماضی کا ترجمہ حال اور مستقبل کا کر دیتے ہیں، مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔ (العنکبوت: ۴)

”کیا جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ گمان رکھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے باہر نکل جائیں گے“۔ (ابن احسن اصلاحی)

يَسْبِقُونَا فعل مضارع ہے اور اس کے لحاظ سے یہ ترجمہ درست ہے، تاہم ذیل کی آیت میں یہی فعل ماضی کے صیغہ میں آیا ہے اور اس کا ترجمہ ماضی کا ہونا چاہئے تھا مگر بعض مترجمین نے مستقبل کا ترجمہ کیا، جیسے:

(۲) وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ۔ (الانفال: ۵۹)
 ”اور یہ کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ نکل بھاگیں گے، وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جاسکیں گے۔“ (امین احسن اصلاحی)

درست ترجمہ یوں ہے: ”اور ہرگز کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بیشک وہ عاجز نہیں کرتے۔“
 (احمد رضا خان)

(۳) أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا۔ (الانبیاء: ۳۰)
 ”کیا ان کفر کرنے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں بند ہوتے ہیں، پھر ہم ان کو کھول دیتے ہیں۔“ (امین احسن اصلاحی)

اس آیت میں بھی فعل ماضی ہے لیکن اس کا ترجمہ حال کا کر دیا ہے۔
 صحیح ترجمہ یوں ہوگا: ”کیا کافر لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے جلے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا۔“ (محمد جونا گڑھی)

”کیا ان کفر کرنے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں باہم جڑے ہوئے تھے، پھر ہم نے ان کو جدا کر دیا۔“ (امانت اللہ اصلاحی)

(۴) وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ۔ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ۔ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ۔ (ق: ۱۹ تا ۲۱)

”اور موت کی غشی شدنی کے ساتھ آپہونچی، یہ ہے وہ چیز جس سے تو کتر اتار ہاتھا۔ اور صور پھونکا جائے گا۔ وہ ہماری وعید کے ظہور کا دن ہوگا۔ اور ہر جان اس طرح حاضر ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوگا اور ایک گواہ۔“ (امین احسن اصلاحی)

”اور موت کی بیہوشی حقیقت کھولنے کو طاری ہوگی۔ (اے انسان) یہی (وہ حالت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی (عذاب کے) وعید کا دن ہے۔ اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا۔ ایک (فرشتہ) اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک (اس کے عملوں کی) گواہی دینے والا۔“ (فتح محمد جالندھری)

یہاں تین آیتیں ہیں جن میں سے ہر ایک فعل ماضی سے شروع ہوئی ہے، مذکورہ ترجموں میں پہلی آیت کا ترجمہ تو ماضی سے کیا گیا ہے مگر بعد کی دونوں آیتوں کا ترجمہ مستقبل کا کیا گیا ہے۔ حالانکہ تینوں آیتوں کا ماضی کا ترجمہ نہیں کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ محمد جونا گڑھی، اشرف علی تھانوی اور طاہر القادری کے ترجموں میں بھی یہی طرز اختیار کیا گیا ہے۔

جبکہ بعض لوگوں نے تینوں آیتوں کے ماضی کے افعال کا ترجمہ ماضی ہی کا کیا ہے اور یہی درست ہے جیسے:
 ”اور آئی موت کی سختی حق کے ساتھ یہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا، اور صور پھونکا گیا یہ ہے وعدہ عذاب کا دن۔ اور ہر

جان یوں حاضر ہوئی کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ“ (احمد رضا خان) سید مودودی اور شیخ الہند کے ترجموں میں بھی یہی انداز ہے۔

(۵) وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ نُنْفِخُ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ۔ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ۔ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا، حَتَّىٰ إِذَا جَاؤُوهَا فَتِيحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا، قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا، فَبِئْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ۔ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا، حَتَّىٰ إِذَا جَاؤُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَّهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ، فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ۔ (الزمر: ۶۸ تا ۷۷)

”اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں مگر جسے اللہ چاہے پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جیسی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور زمین جگمگا اٹھے گی اپنے رب کے نور سے اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاء اور یہ نبی اور اس کی امت کے ان پر گواہ ہوں گے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا، اور ہر جان کو اس کا کیا بھر پور دیا جائے گا اور اسے خوب معلوم جو وہ کرتے تھے، اور کافر جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے گروہ گروہ یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن سے ملنے سے ڈراتے تھے، کہیں گے کیوں نہیں مگر عذاب کا قول کافروں پر ٹھیک اترا، فرمایا جائے گا جاؤ جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہنے، تو کیا ہی برا ٹھکانا متکبروں کا، اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلائی جائیں گی، یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے سلام تم پر تم خوب رہے تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے، اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں، تو کیا ہی اچھا ثواب کامیوں (اچھے کام کرنے والوں) کا۔ (احمد رضا خان)

مذکورہ بالا آیتوں میں زیادہ تر افعال ماضی کے صیغہ میں آئے ہیں، اور ان کا ترجمہ ماضی کا ہونا چاہئے تھا، لیکن عام طور سے مترجمین نے ان کا ترجمہ مستقبل کا کیا ہے، یہ درست ہے کہ ان آیتوں میں جن واقعات اور مناظر کا بیان ہے ان کا تعلق مستقبل میں واقع ہونے والے قیامت کے دن سے ہے، لیکن ان کو ماضی کے صیغہ سے بیان کرنا بھی بلا سبب

تو نہیں ہے کہ ترجمہ میں اس کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ دراصل جب اس طرح کی آیتوں کا ترجمہ مستقبل کا کر دیا جاتا ہے تو ترجمہ پڑھتے وقت وہ حکمت ذہن میں آ نہیں سکتی ہے جو ماضی کے صیغہ سے مستقبل کے واقعات کو بیان کرنے کے پیچھے موجود ہوا کرتی ہے۔

(۳۸) مفعول بہ موجود یا محذوف

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلام کے اندر مفعول بہ موجود ہوتا ہے لیکن مترجم کا دھیان ادھر نہیں جاتا اور وہ کسی محذوف کو مفعول بہ ماننے کی کوشش کرتا ہے۔ محذوف کو مقدر ماننے میں پھر اختلاف بھی ہوتا ہے۔ کسی کا ذہن ایک چیز کی طرف جاتا ہے تو کسی کا ذہن کسی دوسری چیز کی طرف۔ مثال ملاحظہ ہو:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ - سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ - (الصافات: ۷۸-۷۹)

سورہ صافات میں یہ آیت چار مقام پر آئی ہے، تین جگہوں پر واحد اور ایک جگہ ثنی کی ضمیر کے ساتھ۔ بعض مترجمین کو اس میں حیرانی ہوئی ہے کہ ان آیتوں میں تر کنا کا مفعول بہ کیا ہے اور کس چیز کو چھوڑنے یا رہنے دینے کی بات کہی گئی ہے۔ کسی نے مفعول بہ کی جگہ ایک گروہ کو مقدر مانا: ”اور ہم نے اس (کے طریقہ) پر پچھلوں میں (ایک گروہ کو) چھوڑا“ (امین احسن اصلاحی)۔ کسی نے تعریف و توصیف اور ذکر جمیل کو مقدر مانا: ”اور بعد کی نسلوں میں اس کی تعریف و توصیف چھوڑ دی“ (سید مودودی) ”اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا“ (فتح محمد جالندھری) مفسرین و مترجمین کے ایک دوسرے گروہ نے مفعول بہ کو محذوف ماننے کے بجائے اگلی پوری آیت کو مفعول بہ قرار دیا۔

(۱) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ، سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ (الصافات: ۷۸-۷۹)

”اور ہم نے ان کے لیے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو عالم والوں میں۔“ (اشرف علی تھانوی)

(۲) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ - سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ - (الصافات: ۱۰۸-۱۰۹)

”اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لیے رہنے دی کہ ابراہیم پر سلام ہو۔“ (اشرف علی تھانوی)

(۳) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ - سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ - (الصافات: ۱۱۹-۱۲۰)

”اور ہم نے ان دونوں کے لئے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔“ (اشرف علی تھانوی)

(۴) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ، سَلَامٌ عَلَىٰ إِيَّاسِينَ (الصافات: ۱۲۹-۱۳۰)

”اور ہم نے ایاس کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ ایاسین پر سلام ہو۔“ (اشرف علی تھانوی)

تھانوی

امام زحتمی لکھتے ہیں:

”وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ مِنَ الْأُمَّمِ هَذِهِ الْكَلِمَةُ، وَهِيَ: سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ يَعْنِي يَسْلَمُونَ“

علیہ تسلیمًا، ویدعون له، وهو من الكلام المحكى، كقولك: قرأت سورة أنزلناها“۔
 کسی محذوف کو مفعول بہ ماننے کے بجائے موجود کو مفعول بہ مان لینا زیادہ مناسب ہے، بطور خاص اگر کوئی مانع نہ ہو۔ مزید برآں یہاں سلام والی آیت کو تر کننا کا مفعول بہ مان لینے کے لیے ایک مضبوط قرینہ یہ بھی ہے کہ سلام والی آیت بھی چار مرتبہ ہی آئی ہے اور چاروں مقامات پر وَتَرَكُنَا عَلَيهِ فِي الْآخِرِينَ کے فوراً بعد آئی ہے۔ نہ کہیں دونوں کے درمیان فصل ہوا ہے اور نہ ہی کہیں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ اس پر مزید یہ کہ اس نحوی ترکیب کے نتیجے میں جو معنی سامنے آتا ہے، وہ خوب تر ہے۔

(۳۹) فعل اور مفعول بہ کے درمیان فصل کا اسلوب

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذَيِّبَنَّكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنْنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (النساء: ۲۶)

اکثر مترجمین نے پہلے فعل یعنی لِيُذَيِّبَنَّكُمْ کے مفعول بہ کو محذوف مان کر اس طرح ترجمہ کیا ہے:
 ”اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم پر (اپنی آیتیں) واضح کر دے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت بخشے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں“۔ (امین احسن اصلاحی)

”اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتا دے“۔ (احمد رضا خان)

بعض لوگوں نے سُنْنَ کو دونوں فعلوں کا مفعول بہ مان لیا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”اللہ چاہتا ہے کہ تم پر ان طریقوں کو واضح کرے اور انہی طریقوں پر تمہیں چلائے جن کی پیروی تم سے پہلے گزرے ہوئے صلحاء کرتے تھے“۔ (سید مودودی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی کا خیال یہ ہے کہ سُنْنَ کو لِيُذَيِّبَنَّكُمْ کا مفعول بہ مانا جائے، اور یہ مان لیا جائے کہ يَهْدِيَكُمْ کے ذریعہ دونوں کے درمیان فصل ہو گیا ہے، مزید یہ کہ يَهْدِيَكُمْ کا ترجمہ مفعول بہ کے بغیر کیا جائے۔ اس طرح آیت کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تمہارے سامنے اگلوں کی روش بیان کرنا چاہتا ہے، مزید یہ کہ ہدایت سے بھی نوازا نا چاہتا ہے۔ ہدایت سے مراد عمومی ہدایت ہے نہ کہ اگلوں کی روش کی ہدایت۔ دوسرے ترجموں پر اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگلوں کی روش کو بیان کرنا تو بخوبی سمجھ میں آتا ہے، البتہ ان کی روش کی ہدایت دینے کی بات تکلف سے خالی نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ فعل اور مفعول بہ کے درمیان ایک جملے کے ذریعہ فصل ہو سکتا ہے، اس کی مثال خود قرآن مجید میں ہے، جیسے:

فَاعْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ (المائدة: ۶)

بظاہر یہاں وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ کے ذریعہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہے، ابوالبقاء عکبری کے بقول:

هو معطوف على الوجوه والأیدی أی فاغسلوا وجوهكم وأيديكم وأرجلكم وذلك جازئ في العربية بلا خلاف۔ (التبيان في اعراب القرآن)
لیکن در حقیقت یہاں وَاْمَسْحُوا بِرُؤُوسِكُمْ کے ذریعہ فاغسلوا فعل اور اس کے ایک مفعول بہ یعنی وَأَرْجُلِكُمْ کے درمیان فصل کیا گیا ہے۔

(۴۰) مصدق لہ اور مصدق بہ میں فرق

لفظ مُصَدِّقُ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے، اور اکثر مقامات پر لام کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ اس کا ترجمہ کسی خبر یا پیشین گوئی کا مصداق ہونا ہے جیسا کہ علامہ فراہیؒ کی مشہور تحقیق سے ثابت ہوتا ہے۔ صاحب تدر قرآن نے عموماً ترجمہ کرتے ہوئے اس رائے کی پابندی کی ہے، البتہ سہواً کہیں کہیں تفسیر تدر قرآن میں تصدیق کرنے کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ایسے بعض مقامات کی تصحیح بعد میں اس ترجمہ میں کر دی گئی ہے جو نظر ثانی کے بعد خالد مسعود کی تلخیص کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ (مثال کے لیے ملاحظہ ہو سورہ احقاف کی آیت نمبر ۱۸ کا ترجمہ) اور بعض مقامات پر یہ غلطی ہنوز باقی ہے۔ (مثال کے لیے ملاحظہ ہو سورہ احقاف کی آیت نمبر ۳۰ کا ترجمہ)۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر لفظ مُصَدِّقُ باء کے صلہ کے ساتھ آیا ہے، اور صاحب تدر قرآن نے وہاں بھی مصداق والا مفہوم اختیار کیا ہے، ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ۔ (آل عمران: ۳۹)

”تو فرشتوں نے اس کو ندا دی جبکہ وہ محراب میں نماز میں کھڑا تھا کہ اللہ تجھ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک کلمہ کے مصداق، سردار، لذت دنیا سے کنارہ کش اور زمرہ صالحین سے نبی ہوں ہوں گے“۔ (امین احسن اصلاحی) مولانا امانت اللہ اصلاحی کی رائے یہ ہے کہ مُصَدِّقُ جب لام صلہ کے ساتھ آتا ہے تب تو مصداق ہونے کا مفہوم ہوتا ہے، لیکن جب باء صلہ کے ساتھ آتا ہے تو مصداق ہونے کا مفہوم نہیں ہوتا ہے بلکہ تصدیق کرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہاں ترجمہ ہوگا: ”اللہ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا“ اللہ کے ایک کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جیسا کہ ان کے سلسلے میں خود قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے: إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ۔ (آل عمران: ۴۵)

(جاری)